Fikr-o-Nasar (Islamabad) 38:1 (2000)

صحت احادیث

جوزف شاخت کی "دلیل سکوت" کا تنقیدی جائزہ

تحریر: ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری☆
ترجمہ: محمد سہیل عمر☆☆

اسلام کے ابتدائی دور کو موضوع تحقیق بنانے والے مغربی اہل علم میں اس مفروضے کو ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر مان لیا گیا ہے کہ احادیث نبوی یا اقوال صحابہؓ کا بحیثیتِ مجموعی کوئی تعلق نہ تو عہد نبوی سے ہے اور نہ عہد صحابہؓ ہی سے، بلکہ روایات کا یہ سارا ذخیرہ بعد کے دور کی پیداوار ہے۔ اس مفروضے کی رو سے احادیث نبوی اور اقوال صحابہؓ کا آغاز اہل علم کی ذاتی آراء کی حیثیت سے ہوا جنہیں مضبوط بنیاد فراہم کرنے کی غرض سے اسناد کا ایک پورا سلسلہ ایجاد کر لیا گیا۔ پھر ان اسناد میں رفتہ رفتہ ترقی ہوتی رہی، یہاں تک کہ آخر کار ان کو خود رسول اکرمؐ سے منسوب کر دیا گیا۔ مختلف افراد یا مکاتب فکر کے لیے اس عمل کا محرک بظاہر صرف یہی ہو سکتا تھا کہ رسولِ اکرمؐ یا صحابہ کرامؓ سے منسوب ہونے کی وجہ سے ان کی آراء کو قبول و اعتبار حاصل ہو جائے۔ صاف صاف لفظوں میں کہا جائے تو ان اہل علم کے دعوئ کا ماحصل یہ ہے کہ رسولِ اکرمؐ اور آپؐ کے صحابہؓ سے منسوب یہ سارا ذخیرہ وضع و افتراء کے ایک طویل و عریض سلسلے کی پیداوار ہے، اگرچہ یہ عمل نیکی اور دین کی خدمت کے جذبے سے انجام دیا گیا۔

(۱)

مغربی اہل علم میں احادیث کے بارے میں منفی انداز کے سوال اٹھانا، بلکہ ان کی صحت کا انکار کرنا کوئی آج کی بات نہیں ہے۔ انیسویں صدی کے نصف آخر ہی سے الفرڈ

☆ ڈائریکٹر جنرل، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
☆☆ مدیر "اقبال ریویو" اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.　http://iri.iiu.edu.pk/

فون کریمر(م۱۸۸۹ء)، الوے سپرنگر (م۱۸۹۳ء)، ولیم میور(م۱۹۰۵ء) اور تھیوڈور نویلدیکی (م۱۹۳۰ء) جیسے معروف مغربی اہلِ علم کی تحریروں میں یہ رجحان کھل کر سامنے آچکا تھا۔(۱) انیسویں صدی کے آخر میں یہ رجحان اگناز گولڈ تسیھر (م ۱۹۲۱ء) کی تحریروں میں پوری شدت اور قطعیت کے ساتھ نہایت بھرپور انداز میں ظاہر ہوا۔ گولڈ تسیھر نے اپنی اہم ترین تصنیف *Muhammedanische Studien* کی دوسری جلد حدیث کے تنقیدی مطالعے کے لیے مخصوص کی ہے۔ گولڈ تسیھر کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ احادیث نبوی اور آثار صحابہ کی اصل اہمیت یہ ہے کہ وہ دوسری اور تیسری صدی ہجری کے مسلم معاشرے میں لوگوں کے فکری رجحانات اور ان کی فقہی آراء معلوم کرنے کا ایک اچھا ذریعہ ہیں، اگرچہ ان کا اسلام کی پہلی صدی سے، جس سے انہیں منسوب کیا گیا ہے، کوئی تعلق نہیں۔ مغربی اہل علم میں اس دعویٰ کو جلد ہی وسیع پیمانے پر قبولِ عام حاصل ہوگیا اور موجودہ دور تک پہنچتے پہنچتے صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ اس مفروضے سے اختلاف کرنے والے مغربی اہلِ علم خال خال ہی نظر آتے ہیں۔(۲)

گولڈ تسیھر کے بعد بھی متعدد مغربی اہل علم نے تاریخِ اسلام کی ابتدائی صدیوں کے مطالعے کے سلسلے میں احادیث سے بکثرت رجوع کیا ہے۔ ان میں دو نام بہت نمایاں ہیں: اے جے ونسنک اور جوزف شاخت (م۱۹۶۹ء)۔ ونسنک نے احادیث کی روشنی میں اسلامی عقائد کے ارتقاء کا مطالعہ کیا۔ ونسنک نے مطالعہ و تحقیق کا کم و بیش وہی انداز اختیار کیا جو اس سے قبل گولڈ تسیھر اختیار کر چکا تھا۔(۳) دوسری طرف شاخت کی دلچسپی فقہ اسلامی کے آغاز کی تحقیق سے تھی جو ان کی تصنیف کے عنوان *The Origins of Muhammadan Jurisprudence* سے واضح ہے۔ حدیث سے شاخت کی اصل دلچسپی کا سبب یہ تھا کہ وہ فقہ کے اصول اور فروع کی تشکیل میں احادیث کے کردار کا تعین کرنا چاہتے تھے۔ شاخت نے صرف گولڈ تسیھر کے قائم کردہ بنیادی مفروضے کی تصدیق پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ دعویٰ بھی کیا کہ مسلمانوں میں احادیث کو رسول اکرمؐ سے منسوب کرنے کا رواج، عام خیال کے برعکس، کافی بعد میں پڑا۔ انہوں نے اس بات کا بھی دعویٰ کیا کہ قانونی

مسائل کے بارے میں رسول اکرم ﷺ سے جو احادیث مروی ہیں، ان کی ایک بڑی تعداد ۱۵۰ ہجری کے لگ بھگ [وضع کر کے] لوگوں میں پھیلائی گئی تھی۔ شاخت کے خیال میں یہ وہی دور ہے، جب احادیث کی روایت کا سلسلہ "تحریری" صورت میں شروع ہوا تھا۔

شاخت کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص اس بات سے اتفاق کرے گا کہ اس کی تشکیک گولڈ تسیھر سے زیادہ شدید اور جارحانہ ہے۔ اگر شاخت کا "منہجی قاعدہ" سامنے رکھا جائے جو انہوں نے صراحتاً بیان کیا ہے تو یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔ شاخت کے بقول یہ "منہجی قاعدہ" گولڈ تسیھر ہی کے نتائج تحقیق سے ماخوذ ہے۔ ان کے اپنے الفاظ میں یہ قاعدہ مندرجہ ذیل ہے:

> --- قانونی امور کے بارے میں نبیؐ سے مروی کسی حدیث کو جب تک اس کے برعکس ثابت نہ ہو جائے، نبیؐ یا صحابہؓ کے دور کے لیے معتبر، یا لازماً معتبر، اگرچہ کسی قدر مبہم بیان کے طور پر درست تسلیم نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسے بعد کے دور میں تشکیل پانے والے نظریے کا ایک جعلی اظہار قرار دیا جائے گا۔ (۴)

شاخت کا یہ نقطہ نگاہ *The Origins of Muhammadan Jurisprudence* کی اشاعت (۱۹۵۰ء) کے ساتھ سامنے آیا تھا۔ چودہ سال بعد ۱۹۶۴ء میں ان کی دوسری کتاب *An Introduction to Islamic Law* منظر عام پر آئی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موخرالذکر کتاب کی تصنیف تک حدیث کے بارے میں شاخت کی تشکیک میں کچھ مزید شدت پیدا ہو چکی تھی۔ ان کا یہ بیان ملاحظہ فرمایے: "جہاں تک مذہبی قانون [فقہ] کا تعلق ہے، اس بارے میں شاید ہی کسی حدیث کو قابل اعتماد قرار دیا جا سکے۔---" (۵)

شاخت نے اپنی تحریروں میں یہ نقطہ نظر ثابت کرنے کے لیے اکثر مقامات پر "دلیل سکوت" (*argument e silentio*) سے کام لیا ہے، اور اس کے سہارے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں ان روایات کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ تھا جو بعد کے دور میں ہمیں احادیث نبوی یا آثار صحابہؓ کی شکل میں ملتی ہیں۔ یہ دلیل،

یعنی "دلیل سکوت"، شاخت کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:

> کسی معین دور میں ایک حدیث کی عدم موجودگی کا بہترین ثبوت یہ ہے کہ یہ دکھایا جا سکے کہ ایک ایسی قانونی بحث و تمحیص کے دوران جس میں اس حدیث کا بطور دلیل پیش کیا جانا ضروری تھا، اسے پیش نہیں کیا گیا۔ اس صورت میں ہم یہ نتیجہ نکالنے میں اس وجہ سے بھی حق جانب ہیں کہ خود امام محمد بن الحسن شیبانی نے فقہاء اہل مدینہ کے بارے میں یہ الفاظ کہے تھے: " یہ ہے اس معاملے کا صحیح رخ الا یہ کہ اہل مدینہ (اس کے برعکس) اپنی رائے کے حق میں کوئی روایت پیش کر دیں، لیکن ان کے پاس اس کے حق میں پیش کرنے کے لیے کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ اگر ان کے پاس کوئی روایت ہوتی تو وہ اسے ضرور پیش کر چکے ہوتے۔" بنابریں ہم اطمینان کے ساتھ یہ فرض کر سکتے ہیں کہ فقہی احکام سے تعلق رکھنے والی وہ روایات جن سے ہم یہاں تعرض کر رہے ہیں، انہیں رواج دینے کے فوراً بعد ہی وہ لوگ ان روایات کو ضرور پیش کر دیتے جن کی آراء کی تائید ان روایات [کے وضع کرنے] کا مقصود تھا۔(۶)

جہاں تک اس دلیل کے عملی اطلاق کا تعلق ہے، شاخت اپنی ہی عائد کردہ اس شرط کو بعض اوقات فراموش کر دیتے ہیں: " ہر اس حدیث کو اس زمانے میں معدوم سمجھا جائے گا جس میں اس حدیث کو کسی ایسی بحث میں بطور دلیل استعمال نہ کیا گیا ہو جہاں اس کا پیش کیا جانا ضروری تھا"۔(۷) شاخت نے اپنی پیش کردہ دلیل کو جس بے ہنگم شدت کے ساتھ استعمال کیا ہے، اس پر اگر نظر ڈالیں تو یہ فرض کرنا پڑے گا کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری کے مسلمان اہل علم ہمہ وقت فقہی بحث و مباحثہ میں مشغول رہتے تھے، اور یہ ایک ایسا مفروضہ ہے جس کا عقل سلیم کے لیے قبول کرنا محال ہے۔

زیر نظر صفحات میں ہم جو کچھ پیش کر رہے ہیں اس کا اصل مقصد احادیث کی صحت کے حق میں دلائل فراہم کرنا نہیں ہے، اور نہ ہم یہاں صحت احادیث کے بارے میں شاخت کی مجموعی رائے ہی سے تعرض کرنا چاہتے ہیں۔ ان موضوعات پر راقم الحروف کی تحریروں میں کافی کچھ آ چکا ہے اور متعدد دوسرے اہل علم بھی اس موضوع پر بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ لہذا جہاں تک اس مقالے کا تعلق ہے، اس میں ہماری معروضات شاخت کی پیش کردہ "دلیل سکوت" کے تنقیدی جائزے تک ہی محدود رہیں گی، کیوں کہ اسی دلیل کو شاخت نے احادیث کی صحت کے مشتبہ بنانے، بلکہ ان کو ساقط الاعتبار قرار دینے کے لیے بنیاد کے طور پر استعمال کیا ہے۔

(۲)

شاخت کی کتاب The *Origins of Muhammadan Jurisprudence* کے سرسری مطالعے ہی سے یہ بات پوری طرح سامنے آجاتی ہے کہ ان کا قائم کردہ "منہجی قاعدہ" اور ان کا طریق استدلال دونوں میں مبالغے کا رنگ غالب ہے۔ شاخت کی دلیل پر غور و فکر سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان کی دلیل صرف اسی صورت میں درست اور قابل قبول ہو سکتی ہے، جب مندرجہ ذیل مفروضات درست مان لیے جائیں:

۱۔ یہ کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں جب بھی کوئی فقہی رائے کہیں بھی لکھی جاتی تھی تو اس کے تائیدی دلائل، بالخصوص اس فقہی رائے کی تائید کرنے والی احادیث و آثار بھی لازماً درج کر دیے جاتے تھے۔

۲۔ یہ کہ وہ احادیث جو کسی ایک فقیہ (یا محدث) کے دائرہ علم میں تھیں، وہ لازماً اس زمانے کے دوسرے فقہاء (اور محدثین) کے دائرہ علم میں بھی تھیں۔

۳۔ یہ کہ کسی خاص دور میں جو احادیث "رائج" تھیں، ان سب کو مناسب انداز میں وسیع پیمانے پر متعارف کرا دیا گیا تھا، اور انہیں محفوظ بھی کر لیا گیا تھا۔ لہذا اگر کسی معروف عالم کی تحریروں میں کوئی ایسی حدیث، جس کا تعلق کسی ایسے موضوع سے ہو جس پر اس نے اظہار خیال کیا ہے، نہ ملے تو اسے اس بات کا ثبوت سمجھا

جائے گا کہ اس دور میں وہ حدیث نہ صرف اس مصنف کے علاقے میں، بلکہ اسلام کی پوری قلم رو میں بھی موجود نہ تھی۔

یہ سب مفروضات قبول کرنا قطعاً ممکن نہیں، کیوں کہ تاریخی شواہدان میں سے کسی ایک مفروضے کی بھی تائید نہیں کرتے، بلکہ اس کے برعکس یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان میں سے ہر مفروضہ اس دور کے ثابت شدہ حقائق کے خلاف ہے۔

احادیث کی وہ قدیم ترین کتب جو آج ہماری دسترس میں ہیں، ان کا تعلق دوسری صدی ہجری کے وسط اور اس کے بعد کے زمانے سے ہے۔(۸) ان کتابوں کی تالیف میں متعدد محرکات کارفرما تھے۔ ان کی تالیف کا ایک مقصد اسلاف کی آراء کا جمع کرنا تھا، بالخصوص ان آراء کا جن کو کسی مولف کے علاقے یا مکتب فکر میں عمومی قبولیت حاصل تھی۔ بنا بریں اس زمانے میں بسا اوقات ایک مولف اپنے مکتب فکر کی فقہی آراء یکجا کر دیتا تھا، لیکن ان احادیث نبوی یا اقوال صحابہؓ کے اندراج کا التزام نہیں کرتا تھا جن سے ان آراء کی تائید ہوتی تھی۔ بعض اوقات اہل علم اپنی کتابوں میں اپنی ذاتی یا اپنے مکتب فکر کی فقہی آراء کے ذکر پر ہی اکتفا کرتے تھے، اور کبھی کبھی ان آراء کے متعلق احادیث نبوی اور آثار صحابہؓ بھی درج کر دیتے تھے۔ بہرکیف یہ امر لازمی خیال نہیں کیا جاتا تھا۔(۹)

یہ بات کسے معلوم نہیں کہ اس دور کی تصانیف میں، اور اس دور کے بعد کی تصانیف میں بھی اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ قرآن مجید سے مستنبط احکام تو بیان کر دیے جاتے تھے، لیکن اس بات کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا کہ ان آیات قرآنی کا بھی ذکر کر دیا جائے جن سے وہ احکام مستنبط کیے گئے تھے، یا کیے جا سکتے تھے۔(۱۰) اس بات کی بہت سی شہادتیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ یہی صورت حال احادیث کے سلسلے میں بھی تھی۔ بہت سی ایسی مثالیں بھی ہیں کہ ایک فقیہ نے کسی فقہی مسئلے پر اپنے مکتب فکر کی آراء مدون کیں، لیکن اس حدیث کا حوالہ دینے کی طرف کوئی توجہ نہ کی جو مسئلہ زیر بحث سے متعلق تھی یا جس سے خود اس کی اپنی رائے کی تائید ہوتی تھی۔ متعدد ایسی مثالیں ہیں، کہ متعلقہ

حدیث کا وجود اور اس حدیث کا اس فقیہ کے علم میں ہونا پوری طرح ثابت ہے۔[۱۱]

اگر ایسی تمام احادیث جمع کر دی جائیں جو ہماری قدیم ترین کتب میں موجود ہیں، مگر بعد کے زمانے کی تصانیف میں نظر نہیں آتیں تو یہ خود اپنی جگہ ایک دلچسپ مطالعہ ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں اگر ہم شاخت کی مذکورہ دلیل الٹ کر اس کا اطلاق کریں تو گمان غالب یہ ہے کہ اس سے حیران کن نتائج سامنے آئیں گے۔ ہم نے اس مقالے میں شاخت کی دلیل کا ایک محدود پیمانے پر اطلاق کر کے دیکھا ہے اور اس سے بعض عجیب وغریب نتائج سامنے آئے ہیں۔ اس طریق کار کے اطلاق سے دو باتیں خاص طور پر سامنے آتی ہیں: اوّلاً احادیث کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو قدیم تصانیف میں موجود تھی، لیکن دوسری معاصر کتب کا تو ذکر ہی کیا، دورِ مابعد کی کتب میں بھی ان کا سراغ نہیں ملتا۔ ثانیاً مذکورہ عہد کے فقہاء اپنے آپ کو ہرگز اس بات کا پابند نہیں سمجھتے تھے کہ ان تک جو احادیث پہنچی ہوں، وہ ان سب کا حوالہ ضرور دیں، اور وہ ان کے ذکر کی پابندی ان مسائل میں بھی نہیں کرتے تھے جہاں وہ احادیث ان کی اپنی یا ان کے فقہی مکتب فکر کی آراء کی تائید کرتی تھیں۔ اگر یہ دونوں باتیں پوری طرح ثابت ہو جائیں، اور ہمارے نزدیک یہ دونوں باتیں قطعیت کے ساتھ ثابت کی جا سکتی ہیں، تو شاخت کی بنیادی دلیل بری طرح مجروح ہو جاتی ہے اور ان کے استدلال کی پوری عمارت آپ سے آپ منہدم ہو جاتی ہے۔

(۳)

زیر نظر صفحات میں ہم دوسری صدی ہجری کے بعض فقہاء کے قانونی موضوعات میں سے چند ایک کا تقابلی مطالعہ پیش کرتے ہیں تاکہ ان کی روشنی میں شاخت کے مفروضوں کا جائزہ لیا جا سکے۔ اس مطالعے کے آغاز کے لیے ہم نے موطا کے دو نسخے منتخب کیے ہیں، یعنی موطا امام مالکؒ اور موطا امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ۔ موطا امام مالکؒ کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ یہ فقہائے مدینہ کی قانونی آراء کا ذخیرہ ہے اور اس کا شمار حدیث کے ابتدائی مدون و مرتب مجموعوں میں بھی ہوتا ہے۔ امام مالکؒ (ولادت: ۹۵ھ) مالکی فقہ کے بانی ہیں۔ ان کا زمانہ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ سے معتدبہ قبل کے دور سے ہے۔ امام شیبانیؒ

کی ولادت ۱۳۲ھ کی ہے اور ان کا تعلق امام ابو حنیفہؒ (م۱۵۰ھ) کے فقہی مذہب سے ہے۔ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ نے امام مالکؒ کی موطا کا ایک نسخہ تیار کیا تھا۔ اس نسخے میں انہوں نے امام مالکؒ کی روایت کردہ احادیث اور ان کی فقہی آراء کے علاوہ وہ آراء بھی درج کی ہیں جو امام شیبانیؒ کے اپنے فقہی مسلک کے مطابق اور امام مالکؒ کے مسلک سے متعارض ہیں۔ کبھی کبھی امام شیبانیؒ نے اپنے مذہب کی آراء کا ذکر کرنے کے بعد ان کی تائید کرنے والی احادیث بھی اس میں شامل کی ہیں۔

ان تمہیدی باتوں کے بعد آیئے! اب موطا امام مالکؒ اور موطا امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کا تقابلی مطالعہ کریں۔ اس مطالعے سے یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ امام مالکؒ کی موطا میں احادیث کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو ہمیں امام شیبانیؒ کی موطا میں نظر نہیں آتی، اگرچہ امام شیبانیؒ کا زمانہ امام مالکؒ کے بعد کا ہے۔[۱۲] اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بسا اوقات وہ احادیث جو خود امام شیبانیؒ کے مسلک اور ان کی آراء کی موید ہیں، وہ ہمیں موطا امام مالکؒ میں تو ملتی ہیں، لیکن امام شیبانیؒ کی موطا میں نہیں ملتیں۔ ذیل کی چند مثالیں دیکھیے:

۱۔ موطا امام مالکؒ میں اوقات نماز کے بارے میں ۱۳ روایات ہیں (دیکھیے: موطا امام مالک، ص ۳ ومابعد)، جبکہ موطا امام شیبانیؒ میں ان میں سے صرف تین روایات مذکور ہیں۔ (ملاحظہ ہو ص ۴۲ ومابعد)۔

۲۔ نماز فجر کے افضل وقت کے بارے میں اہل مدینہ اور اہل کوفہ کا اختلاف معروف ہے۔ اہل مدینہ نماز فجر غَلَس یعنی قدرے اندھیرے میں پڑھنے کے قائل تھے اور اہل کوفہ اِسفار یعنی قدرے روشنی میں نماز فجر پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے۔ موطا امام شیبانیؒ (ص ۴۲) میں اہل کوفہ کی اس رائے کا ذکر ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ امام شیبانیؒ نے اپنی موطا میں اس حدیث نبوی کا کوئی حوالہ نہیں دیا جو موطا امام مالکؒ (ص ۴ ومابعد) میں موجود ہے اور جس سے امام شیبانیؒ کے اپنے مذہب کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔[۱۳]

۳۔ اس مسئلے پر کہ مس ذکر سے نقض وضو واقع ہوتا ہے یا نہیں؟ موطا امام مالکؒ (ص ۴۲) میں چھ روایات ہیں۔ ان میں سے صرف دو روایات موطا امام شیبانیؒ میں ملتی ہیں (ص ۵۰)۔ ان غیر موجود روایات میں سے ایک روایت کی نسبت رسول اکرمؐ سے ہے اور دوسری روایت کی حضرت عبداللہؓ ابن عمرؓ سے۔

۴۔ غسل جنابت کے مسئلے پر موطا امام مالکؒ میں چار روایات ہیں (ص ۴۴)۔ ان میں سے صرف ایک روایت موطا امام شیبانی میں شامل ہے (ص ۷۷)۔ موطا امام مالکؒ کی ان چار میں سے دو روایات رسول اکرمؐ سے مروی ہیں۔

۵۔ موطا امام مالکؒ میں "غسل المراۃ اذا رأت فی المنام" کے عنوان کے تحت دو روایات ہیں (ص ۵۵)، جبکہ موطا امام شیبانیؒ میں صرف ایک روایت پائی جاتی ہے(ص ۷۹)۔ موخر الذکر مجموعے میں جو روایت شامل نہیں، وہ حدیث نبوی ہے اور اس کی اسناد یہ ہے: مالک، ام سلمٰی، ام سلیم، نبی ﷺ۔

۶۔ "الوضوء من القُبلة" کا باب موطا امام مالکؒ میں تو موجود ہے (ص ۴۳ وما بعد)، مگر موطا امام شیبانیؒ میں یہ پورا باب موجود نہیں۔

۷۔ "الطہور فی الماء" کا باب موطا امام مالکؒ میں موجود ہے(ص ۲۲)، مگر موطا امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

۸۔ اسی طرح "البول قائما" اور "السواك" کے ابواب بھی موطا امام مالکؒ میں موجود ہیں (ص ۶۶ ومابعد)، لیکن موطا امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

۹۔ موطا امام مالکؒ کے حصے "النداء فی الصلوۃ" (ص ۶۷ ومابعد) کا، اگر موطا امام شیبانیؒ (ص ۸۲) سے مقابلہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ موطا امام مالکؒ کی متعدد روایات (مثلاً ۱، ۳، ۵،۶، ۷، ۹) موطا امام شیبانیؒ میں موجود نہیں ہیں۔

۱۰۔ موطا امام مالکؒ میں "کفن المیت" کا حصہ (ص ۲۲۳) تین روایات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے موطا امام شیبانیؒ میں صرف ایک روایت موجود ہے (یعنی روایت ۷، ص ۱۶۲)۔ یہ روایت حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص سے مروی

ہے۔ جو دو احادیث موجود نہیں ہیں ان میں سے ایک میں رسول اکرمؐ کی تکفین کا بیان ہے۔

۱۱۔ موطا امام شیبانیؒ میں "زکوۃالفطر" (ص ۱۷۶) کے تحت حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی وہ روایت موجود نہیں ہے جو موطا امام مالکؒ کے ص ۲۸۳ پر ہمیں نظر آتی ہے۔

۱۲۔ موطا امام مالکؒ کی جو روایتیں " من لاتجب عليه زكوة الفطر" کے عنوان کے تحت مندرج ہیں (ص ۲۸۵) اور جو " مكيلة زكوة الفطر" (ص ۲۸۳) کے تحت آتی ہیں، ان میں سے کوئی روایت موطا امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

۱۳۔ "استیذان البکر والایم" کے باب میں موطا امام مالکؒ میں تین روایات ہیں (ص ۵۲۴)، جبکہ موطا امام شیبانیؒ میں صرف ایک روایت ملتی ہے (ص ۲۳۹)۔ جو دو روایات موخرالذکر کتاب میں مفقود ہیں، ان میں سے ایک حدیثِ نبویؐ ہے۔(۱۴)

۱۴۔ موطا امام شیبانیؒ کا "لعان" کا حصہ (ص ۲۶۲) کئی ایسی روایات سے خالی ہے جو موطا امام مالکؒ کے حصہ "لعان" (ص ۵۶۶) میں موجود ہیں۔

۱۵۔ بیع تمور کی ممنوعہ صورتوں کا بیان موطا امام شیبانیؒ میں صرف ایک روایت پر مشتمل ہے (ص ۳۳۰)، جبکہ موطا امام مالکؒ میں اسی مسئلے پر تین روایات پائی جاتی ہیں اور تینوں کی سند رسول اکرمؐ تک جاتی ہے (ص ۶۲۳ ومابعد)۔

یہی صورت حال اس وقت بھی سامنے آتی ہے جب ہم اسی نقطہ نظر سے امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کی تصانیف، بالخصوص کتاب الآثار ابو یوسفؒ اور کتاب الآثار امام شیبانیؒ کا موازنہ کرتے ہیں۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ امام ابو یوسف کا انتقال ۱۸۲ھ میں ہوا اور امام شیبانیؒ کا ۱۸۹ھ میں، اور اگر امام ابو یوسفؒ اور امام شیبانیؒ کے سالہائے پیدائش بھی پیش نظر رکھے جائیں (جو بالترتیب ۱۱۳ھ اور ۱۳۲ھ ہیں) تو یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابو یوسفؒ امام شیبانی ؒ سے عمر میں خاصے بڑے تھے،

صحت احادیث

جوزف شاخت کی "دلیل سکوت" کا تنقیدی جائزہ

تحریر: ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری☆

ترجمہ: محمد سہیل عمر☆☆

اسلام کے ابتدائی دور کو موضوع تحقیق بنانے والے مغربی اہل علم میں اس مفروضے کو ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر مان لیا گیا ہے کہ احادیث نبوی یا اقوال صحابہؓ کا حیثیتِ مجموعی کوئی تعلق نہ تو عہد نبوی سے ہے اور نہ عہد صحابہؓ ہی سے، بلکہ روایات کا یہ سارا ذخیرہ بعد کے دور کی پیداوار ہے۔ اس مفروضے کی رو سے احادیث نبوی اور اقوال صحابہؓ کا آغاز اہل علم کی ذاتی آراء کی حیثیت سے ہوا جنہیں مضبوط بنیاد فراہم کرنے کی غرض سے اسناد کا ایک پورا سلسلہ ایجاد کر لیا گیا۔ پھر ان اسناد میں رفتہ رفتہ ترقی ہوتی رہی، یہاں تک کہ آخر کار ان کو خود رسول اکرمؐ سے منسوب کر دیا گیا۔ مختلف افراد یا مکاتب فکر کے لیے اس عمل کا محرک بظاہر صرف یہی ہو سکتا تھا کہ رسولِ اکرمؐ یا صحابہ کرامؓ سے منسوب ہونے کی وجہ سے ان کی آراء کو قبول و اعتبار حاصل ہو جائے۔ صاف صاف لفظوں میں کہا جائے تو ان اہل علم کے دعویٰ کا ماحصل یہ ہے کہ رسول اکرمؐ اور آپؐ کے صحابہؓ سے منسوب یہ سارا ذخیرہ وضع و افتراء کے ایک طویل و عریض سلسلے کی پیداوار ہے، اگرچہ یہ عمل نیکی اور دین کی خدمت کے جذبے سے انجام دیا گیا۔

(۱)

مغربی اہل علم میں احادیث کے بارے میں منفی انداز کے سوال اٹھانا، بلکہ ان کی صحت کا انکار کرنا کوئی آج کی بات نہیں ہے۔ انیسویں صدی کے نصف آخر ہی سے الفرڈ

☆ ڈائریکٹر جنرل، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

☆☆ مدیر "اقبال ریویو" اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

فون کریمر(م۱۸۸۹ء)، الوے سپرنگر (م۱۸۹۳ء)، ولیم میور(م۱۹۰۵ء) اور تھیوڈور نولدیکی (م۱۹۳۰ء) جیسے معروف مغربی اہلِ علم کی تحریروں میں یہ رجحان کھل کر سامنے آچکا تھا۔[۱] انیسویں صدی کے آخر میں یہ رجحان اگناز گولڈ تسیھر (م ۱۹۲۱ء) کی تحریروں میں پوری شدت اور قطعیت کے ساتھ نہایت بھرپور انداز میں ظاہر ہوا۔ گولڈ تسیھر نے اپنی اہم ترین تصنیف *Muhammedanische Studien* کی دوسری جلد حدیث کے تنقیدی مطالعے کے لیے مخصوص کی ہے۔ گولڈ تسیھر کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ احادیث نبوی اور آثار صحابہ کی اصل اہمیت یہ ہے کہ وہ دوسری اور تیسری صدی ہجری کے مسلم معاشرے میں لوگوں کے فکری رجحانات اور ان کی فقہی آراء معلوم کرنے کا ایک اچھا ذریعہ ہیں، اگرچہ ان کا اسلام کی پہلی صدی سے، جس سے انہیں منسوب کیا گیا ہے، کوئی تعلق نہیں۔ مغربی اہل علم میں اس دعویٰ کو جلد ہی وسیع پیمانے پر قبولِ عام حاصل ہوگیا اور موجودہ دور تک پہنچتے پہنچتے صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ اس مفروضے سے اختلاف کرنے والے مغربی اہلِ علم خال خال ہی نظر آتے ہیں۔[۲]

گولڈ تسیھر کے بعد بھی متعدد مغربی اہل علم نے تاریخِ اسلام کی ابتدائی صدیوں کے مطالعے کے سلسلے میں احادیث سے بکثرت رجوع کیا ہے۔ ان میں دو نام بہت نمایاں ہیں: اے جے ونسنک اور جوزف شاخت (م۱۹۶۹ء)۔ ونسنک نے احادیث کی روشنی میں اسلامی عقائد کے ارتقاء کا مطالعہ کیا۔ ونسنک نے مطالعہ و تحقیق کا کم و بیش وہی انداز اختیار کیا جو اس سے قبل گولڈ تسیھر اختیار کر چکا تھا۔[۳] دوسری طرف شاخت کی دلچسپی فقہ اسلامی کے آغاز کی تحقیق سے تھی جو ان کی تصنیف کے عنوان *The Origins of Muhammadan Jurisprudence* سے واضح ہے۔ حدیث سے شاخت کی اصل دلچسپی کا سبب یہ تھا کہ وہ فقہ کے اصول اور فروع کی تشکیل میں احادیث کے کردار کا تعین کرنا چاہتے تھے۔ شاخت نے صرف گولڈ تسیھر کے قائم کردہ بنیادی مفروضے کی تصدیق پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ دعویٰ بھی کیا کہ مسلمانوں میں احادیث کو رسول اکرمؐ سے منسوب کرنے کا رواج، عام خیال کے برعکس، کافی بعد میں پڑا۔ انہوں نے اس بات کا بھی دعویٰ کیا کہ قانونی

مسائل کے بارے میں رسول اکرم ﷺ سے جو احادیث مروی ہیں، ان کی ایک بڑی تعداد ۱۵۰ ہجری کے لگ بھگ [وضع کر کے] لوگوں میں پھیلائی گئی تھی۔ شاخت کے خیال میں یہ وہی دور ہے، جب احادیث کی روایت کا سلسلہ "تحریری" صورت میں شروع ہوا تھا۔

شاخت کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص اس بات سے اتفاق کرے گا کہ اس کی تشکیک گولڈ تسیھر سے زیادہ شدید اور جارحانہ ہے۔ اگر شاخت کا "منہجی قاعدہ" سامنے رکھا جائے جو انہوں نے صراحتاً بیان کیا ہے تو یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔ شاخت کے بقول یہ "منہجی قاعدہ" گولڈ تسیھر ہی کے نتائج تحقیق سے ماخوذ ہے۔ ان کے اپنے الفاظ میں یہ قاعدہ مندرجہ ذیل ہے:

> --- قانونی امور کے بارے میں نبیؐ سے مروی کسی حدیث کو جب تک اس کے برعکس ثابت نہ ہو جائے، نبیؐ یا صحابہؓ کے دور کے لیے معتبر، یا لازماً معتبر، اگرچہ کسی قدر مبہم بیان کے طور پر درست تسلیم نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسے بعد کے دور میں تشکیل پانے والے نظریے کا ایک جعلی اظہار قرار دیا جائے گا۔(۴)

شاخت کا یہ نقطہ نگاہ *The Origins of Muhammadan Jurisprudence* کی اشاعت (۱۹۵۰ء) کے ساتھ سامنے آیا تھا۔ چودہ سال بعد ۱۹۶۴ء میں ان کی دوسری کتاب *An Introduction to Islamic Law* منظر عام پر آئی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موخرالذکر کتاب کی تصنیف تک حدیث کے بارے میں شاخت کی تشکیک میں کچھ مزید شدت پیدا ہو چکی تھی۔ ان کا یہ بیان ملاحظہ فرمایے: "جہاں تک مذہبی قانون [فقہ] کا تعلق ہے، اس بارے میں شاید ہی کسی حدیث کو قابل اعتماد قرار دیا جا سکے۔---"(۵)

شاخت نے اپنی تحریروں میں یہ نقطہ نظر ثابت کرنے کے لیے اکثر مقامات پر "دلیل سکوت" (*argument e silentio*) سے کام لیا ہے، اور اس کے سہارے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں ان روایات کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ تھا جو بعد کے دور میں ہمیں احادیث نبوی یا آثار صحابہؓ کی شکل میں ملتی ہیں۔ یہ دلیل،

یعنی "دلیل سکوت"، شاخت کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:

> کسی معین دور میں ایک حدیث کی عدم موجودگی کا بہترین ثبوت یہ ہے کہ یہ دکھایا جا سکے کہ ایک ایسی قانونی بحث و تمحیص کے دوران جس میں اس حدیث کا بطور دلیل پیش کیا جانا ضروری تھا، اسے پیش نہیں کیا گیا۔ اس صورت میں ہم یہ نتیجہ نکالنے میں اس وجہ سے بھی حق جانب ہیں کہ خود امام محمد بن الحسن شیبانی نے فقہاء اہل مدینہ کے بارے میں یہ الفاظ کہے تھے: " یہ ہے اس معاملے کا صحیح رخ لا یہ کہ اہل مدینہ (اس کے برعکس) اپنی رائے کے حق میں کوئی روایت پیش کر دیں، لیکن ان کے پاس اس کے حق میں پیش کرنے کے لیے کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ اگر ان کے پاس کوئی روایت ہوتی تو وہ اسے ضرور پیش کر چکے ہوتے۔" بنابریں ہم اطمینان کے ساتھ یہ فرض کر سکتے ہیں کہ فقہی احکام سے تعلق رکھنے والی وہ روایات جن سے ہم یہاں تعرض کر رہے ہیں، انہیں رواج دینے کے فوراً بعد ہی وہ لوگ ان روایات کو ضرور پیش کر دیتے جن کی آراء کی تائید ان روایات [کے وضع کرنے] کا مقصود تھا۔(۶)

جہاں تک اس دلیل کے عملی اطلاق کا تعلق ہے، شاخت اپنی ہی عائد کردہ اس شرط کو بعض اوقات فراموش کر دیتے ہیں: " ہر اس حدیث کو اس زمانے میں معدوم سمجھا جائے گا جس میں اس حدیث کو کسی ایسی بحث میں بطور دلیل استعمال نہ کیا گیا ہو جہاں اس کا پیش کیا جانا ضروری تھا"۔(۷) شاخت نے اپنی پیش کردہ دلیل کو جس بے ہنگم شدت کے ساتھ استعمال کیا ہے، اس پر اگر نظر ڈالیں تو یہ فرض کرنا پڑے گا کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری کے مسلمان اہل علم ہمہ وقت فقہی بحث و مباحثہ میں مشغول رہتے تھے، اور یہ ایک ایسا مفروضہ ہے جس کا عقل سلیم کے لیے قبول کرنا محال ہے۔

زیر نظر صفحات میں ہم جو کچھ پیش کر رہے ہیں اس کا اصل مقصد احادیث کی صحت کے حق میں دلائل فراہم کرنا نہیں ہے، اور نہ ہم یہاں صحت احادیث کے بارے میں شاخت کی مجموعی رائے ہی سے تعرض کرنا چاہتے ہیں۔ ان موضوعات پر راقم الحروف کی تحریروں میں کافی کچھ آچکا ہے اور متعدد دوسرے اہل علم بھی اس موضوع پر بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ لہذا جہاں تک اس مقالے کا تعلق ہے، اس میں ہماری معروضات شاخت کی پیش کردہ "دلیل سکوت" کے تنقیدی جائزے تک ہی محدود رہیں گی، کیوں کہ اسی دلیل کو شاخت نے احادیث کی صحت کے مشتبہ بنانے، بلکہ ان کو ساقط الاعتبار قرار دینے کے لیے بنیاد کے طور پر استعمال کیا ہے۔

(۲)

شاخت کی کتاب The *Origins of Muhammadan Jurisprudence* کے سرسری مطالعے ہی سے یہ بات پوری طرح سامنے آجاتی ہے کہ ان کا قائم کردہ "منہجی قاعدہ" اور ان کا طریق استدلال دونوں میں مبالغے کا رنگ غالب ہے۔ شاخت کی دلیل پر غور و فکر سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان کی دلیل صرف اسی صورت میں درست اور قابل قبول ہو سکتی ہے، جب مندرجہ ذیل مفروضات درست مان لیے جائیں:

۱۔ یہ کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں جب بھی کوئی فقہی رائے کہیں بھی لکھی جاتی تھی تو اس کے تائیدی دلائل، بالخصوص اس فقہی رائے کی تائید کرنے والی احادیث و آثار بھی لازماً درج کر دیے جاتے تھے۔

۲۔ یہ کہ وہ احادیث جو کسی ایک فقیہ (یا محدث) کے دائرہ علم میں تھیں، وہ لازماً اس زمانے کے دوسرے فقہاء (اور محدثین) کے دائرہ علم میں بھی تھیں۔

۳۔ یہ کہ کسی خاص دور میں جو احادیث "رائج" تھیں، ان سب کو مناسب انداز میں وسیع پیمانے پر متعارف کرا دیا گیا تھا، اور انہیں محفوظ بھی کر لیا گیا تھا۔ لہذا اگر کسی معروف عالم کی تحریروں میں کوئی ایسی حدیث، جس کا تعلق کسی ایسے موضوع سے ہو جس پر اس نے اظہار خیال کیا ہے، نہ ملے تو اسے اس بات کا ثبوت سمجھا

جائے گا کہ اس دور میں وہ حدیث نہ صرف اس مصنف کے علاقے میں، بلکہ اسلام کی پوری قلم رو میں بھی موجود نہ تھی۔

یہ سب مفروضات قبول کرنا قطعاً ممکن نہیں، کیوں کہ تاریخی شواہد ان میں سے کسی ایک مفروضے کی بھی تائید نہیں کرتے، بلکہ اس کے برعکس یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان میں سے ہر مفروضہ اس دور کے ثابت شدہ حقائق کے خلاف ہے۔

احادیث کی وہ قدیم ترین کتب جو آج ہماری دسترس میں ہیں، ان کا تعلق دوسری صدی ہجری کے وسط اور اس کے بعد کے زمانے سے ہے۔(۸) ان کتابوں کی تالیف میں متعدد محرکات کارفرما تھے۔ ان کی تالیف کا ایک مقصد اسلاف کی آراء کا جمع کرنا تھا، بالخصوص ان آراء کا جن کو کسی مولف کے علاقے یا مکتب فکر میں عمومی قبولیت حاصل تھی۔ بنا بریں اس زمانے میں بسا اوقات ایک مولف اپنے مکتب فکر کی فقہی آراء یکجا کر دیتا تھا، لیکن ان احادیث نبوی یا اقوال صحابہؓ کے اندراج کا التزام نہیں کرتا تھا جن سے ان آراء کی تائید ہوتی تھی۔ بعض اوقات اہل علم اپنی کتابوں میں اپنی ذاتی یا اپنے مکتب فکر کی فقہی آراء کے ذکر پر ہی اکتفا کرتے تھے، اور کبھی کبھی ان آراء کے متعلق احادیث نبوی اور آثار صحابہؓ بھی درج کر دیتے تھے۔ بہر کیف یہ امر لازمی خیال نہیں کیا جاتا تھا۔(۹)

یہ بات کسے معلوم نہیں کہ اس دور کی تصانیف میں، اور اس دور کے بعد کی تصانیف میں بھی اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ قرآن مجید سے مستنبط احکام تو بیان کر دیے جاتے تھے، لیکن اس بات کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا کہ ان آیات قرآنی کا بھی ذکر کر دیا جائے جن سے وہ احکام مستنبط کیے گئے تھے، یا کیے جا سکتے تھے۔(۱۰) اس بات کی بہت سی شہادتیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ یہی صورت حال احادیث کے سلسلے میں بھی تھی۔ بہت سی ایسی مثالیں بھی ہیں کہ ایک فقیہ نے کسی فقہی مسئلے پر اپنے مکتب فکر کی آراء مدون کیں، لیکن اس حدیث کا حوالہ دینے کی طرف کوئی توجہ نہ کی جو مسئلہ زیر بحث سے متعلق تھی یا جس سے خود اس کی اپنی رائے کی تائید ہوتی تھی۔ متعدد ایسی مثالیں ہیں، کہ متعلقہ

حدیث کا وجود اور اس حدیث کا اس فقیہ کے علم میں ہونا پوری طرح ثابت ہے۔[۱۱]

اگر ایسی تمام احادیث جمع کر دی جائیں جو ہماری قدیم ترین کتب میں موجود ہیں، مگر بعد کے زمانے کی تصانیف میں نظر نہیں آتیں تو یہ خود اپنی جگہ ایک دلچسپ مطالعہ ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں اگر ہم شاخت کی مذکورہ دلیل الٹ کر اس کا اطلاق کریں تو گمان غالب یہ ہے کہ اس سے حیران کن نتائج سامنے آئیں گے۔ ہم نے اس مقالے میں شاخت کی دلیل کا ایک محدود پیمانے پر اطلاق کر کے دیکھا ہے اور اس سے بعض عجیب وغریب نتائج سامنے آئے ہیں۔ اس طریق کار کے اطلاق سے دو باتیں خاص طور پر سامنے آتی ہیں: اوّلاً احادیث کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو قدیم تصانیف میں موجود تھی، لیکن دوسری معاصر کتب کا تو ذکر ہی کیا، دورِ ما بعد کی کتب میں بھی ان کا سراغ نہیں ملتا۔ ثانیاً مذکورہ عہد کے فقہاء اپنے آپ کو ہرگز اس بات کا پابند نہیں سمجھتے تھے کہ ان تک جو احادیث پہنچی ہوں، وہ ان سب کا حوالہ ضرور دیں، اور وہ ان کے ذکر کی پابندی ان مسائل میں بھی نہیں کرتے تھے جہاں وہ احادیث ان کی اپنی یا ان کے فقہی مکتب فکر کی آراء کی تائید کرتی تھیں۔ اگر یہ دونوں باتیں پوری طرح ثابت ہو جائیں، اور ہمارے نزدیک یہ دونوں باتیں قطعیت کے ساتھ ثابت کی جا سکتی ہیں، تو شاخت کی بنیادی دلیل بری طرح مجروح ہو جاتی ہے اور ان کے استدلال کی پوری عمارت آپ سے آپ منہدم ہو جاتی ہے۔

(۳)

زیر نظر صفحات میں ہم دوسری صدی ہجری کے بعض فقہاء کے قانونی موضوعات میں سے چند ایک کا تقابلی مطالعہ پیش کرتے ہیں تاکہ ان کی روشنی میں شاخت کے مفروضوں کا جائزہ لیا جا سکے۔ اس مطالعے کے آغاز کے لیے ہم نے موطا کے دو نسخے منتخب کیے ہیں، یعنی موطا امام مالکؒ اور موطا امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ۔ موطا امام مالکؒ کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ یہ فقہائے مدینہ کی قانونی آراء کا ذخیرہ ہے اور اس کا شمار حدیث کے ابتدائی مدون و مرتب مجموعوں میں بھی ہوتا ہے۔ امام مالکؒ (ولادت: ۹۵ھ) مالکی فقہ کے بانی ہیں۔ ان کا زمانہ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ سے معتدبہ قبل کے دور سے ہے۔ امام شیبانیؒ

کی ولادت ۱۳۲ھ کی ہے اور ان کا تعلق امام ابو حنیفہؒ (م۱۵۰ھ) کے فقہی مذہب سے ہے۔ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ نے امام مالکؒ کی موطا کا ایک نسخہ تیار کیا تھا۔ اس نسخے میں انہوں نے امام مالکؒ کی روایت کردہ احادیث اور ان کی فقہی آراء کے علاوہ وہ آراء بھی درج کی ہیں جو امام شیبانیؒ کے اپنے فقہی مسلک کے مطابق اور امام مالکؒ کے مسلک سے متعارض ہیں۔ کبھی کبھی امام شیبانیؒ نے اپنے مذہب کی آراء کا ذکر کرنے کے بعد ان کی تائید کرنے والی احادیث بھی اس میں شامل کی ہیں۔

ان تمہیدی باتوں کے بعد آیئے! اب موطا امام مالکؒ اور موطا امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کا تقابلی مطالعہ کریں۔ اس مطالعے سے یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ امام مالکؒ کی موطا میں احادیث کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو ہمیں امام شیبانیؒ کی موطا میں نظر نہیں آتی، اگرچہ امام شیبانیؒ کا زمانہ امام مالکؒ کے بعد کا ہے۔(۱۲) اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بسا اوقات وہ احادیث جو خود امام شیبانیؒ کے مسلک اور ان کی آراء کی موید ہیں، وہ ہمیں موطا امام مالکؒ میں تو ملتی ہیں، لیکن امام شیبانیؒ کی موطا میں نہیں ملتیں۔ ذیل کی چند مثالیں دیکھیے :

۱۔ موطا امام مالکؒ میں اوقات نماز کے بارے میں ۱۳ روایات ہیں (دیکھیے : موطا امام مالک، ص ۳ ومابعد)، جبکہ موطا امام شیبانیؒ میں ان میں سے صرف تین روایات مذکور ہیں۔(ملاحظہ ہو ص ۴۲ ومابعد)۔

۲۔ نماز فجر کے افضل وقت کے بارے میں اہل مدینہ اور اہل کوفہ کا اختلاف معروف ہے۔ اہل مدینہ نماز فجر غَلَس یعنی قدرے اندھیرے میں پڑھنے کے قائل تھے اور اہل کوفہ اِسفار یعنی قدرے روشنی میں نماز فجر پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے۔ موطا امام شیبانیؒ (ص ۴۲) میں اہل کوفہ کی اس رائے کا ذکر ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ امام شیبانیؒ نے اپنی موطا میں اس حدیث نبوی کا کوئی حوالہ نہیں دیا جو موطا امام مالکؒ (ص ۴ ومابعد) میں موجود ہے اور جس سے امام شیبانیؒ کے اپنے مذہب کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔(۱۳)

۳۔ اس مسئلے پر کہ مَسّ ذکر سے نقض وضو واقع ہوتا ہے یا نہیں؟ موطا امام مالکؒ (ص ۴۲) میں چھ روایات ہیں۔ ان میں سے صرف دو روایات موطا امام شیبانیؒ میں ملتی ہیں (ص ۵۰)۔ ان غیر موجود روایات میں سے ایک روایت کی نسبت رسول اکرمؐ سے ہے اور دوسری روایت کی حضرت عبداللہؓ ابن عمرؓ سے۔

۴۔ غسل جنابت کے مسئلے پر موطا امام مالکؒ میں چار روایات ہیں (ص ۴۴)۔ ان میں سے صرف ایک روایت موطا امام شیبانی میں شامل ہے (ص ۷۷)۔ موطا امام مالکؒ کی ان چار میں سے دو روایات رسول اکرمؐ سے مروی ہیں۔

۵۔ موطا امام مالکؒ میں "غسل المراۃ اذا رأت فی المنام" کے عنوان کے تحت دو روایات ہیں (ص ۵۵)، جبکہ موطا امام شیبانیؒ میں صرف ایک روایت پائی جاتی ہے(ص ۷۹)۔ موخر الذکر مجموعے میں جو روایت شامل نہیں، وہ حدیث نبوی ہے اور اس کی اسناد یہ ہے: مالک، ام سلمٰی، ام سلیم، نبی ﷺ۔

۶۔ "الوضوء من القُبلۃ" کا باب موطا امام مالکؒ میں تو موجود ہے (ص ۴۳ وما بعد)، مگر موطا امام شیبانیؒ میں یہ پورا باب موجود نہیں۔

۷۔ "الطہور فی الماء" کا باب موطا امام مالکؒ میں موجود ہے(ص ۲۲)، مگر موطا امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

۸۔ اسی طرح "البول قائما" اور "السواک" کے ابواب بھی موطا امام مالکؒ میں موجود ہیں (ص ۶۶ ومابعد)، لیکن موطا امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

۹۔ موطا امام مالکؒ کے حصے "النداء فی الصلوۃ" (ص ۶۷ ومابعد) کا، اگر موطا امام شیبانیؒ (ص ۸۲) سے مقابلہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ موطا امام مالکؒ کی متعدد روایات (مثلاً ۱، ۳، ۵، ۶، ۷، ۹) موطا امام شیبانیؒ میں موجود نہیں ہیں۔

۱۰۔ موطا امام مالکؒ میں "کفن المیت" کا حصہ (ص ۲۲۳) تین روایات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے موطا امام شیبانیؒ میں صرف ایک روایت موجود ہے (یعنی روایت ۷، ص ۱۶۲)۔ یہ روایت حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص سے مروی

ہے۔ جو دو احادیث موجود نہیں ہیں ان میں سے ایک میں رسول اکرمؐ کی تکفین کا بیان ہے۔

۱۱۔ موطا امام شیبانیؒ میں "زکوۃالفطر" (ص ۱۷۶) کے تحت حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی وہ روایت موجود نہیں ہے جو موطا امام مالکؒ کے ص ۲۸۳ پر ہمیں نظر آتی ہے۔

۱۲۔ موطا امام مالکؒ کی جو روایتیں "من لاتجب علیه زکوة الفطر" کے عنوان کے تحت مندرج ہیں (ص ۲۸۵) اور جو "مکیلة زکوة الفطر" (ص ۲۸۳) کے تحت آتی ہیں، ان میں سے کوئی روایت موطا امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

۱۳۔ "استیذان البکر والایم" کے باب میں موطا امام مالکؒ میں تین روایات ہیں (ص ۵۲۴)، جبکہ موطا امام شیبانیؒ میں صرف ایک روایت ملتی ہے (ص ۲۳۹)۔ جو دو روایات موخرالذکر کتاب میں مفقود ہیں، ان میں سے ایک حدیثِ نبویؐ ہے۔(۱۴)

۱۴۔ موطا امام شیبانیؒ کا "لعان" کا حصہ (ص ۲۶۲) کئی ایسی روایات سے خالی ہے جو موطا امام مالکؒ کے حصہ "لعان" (ص ۵۶۶) میں موجود ہیں۔

۱۵۔ بیع تمور کی ممنوعہ صورتوں کا بیان موطا امام شیبانیؒ میں صرف ایک روایت پر مشتمل ہے (ص ۳۳۰)، جبکہ موطا امام مالکؒ میں اسی مسئلے پر تین روایات پائی جاتی ہیں اور تینوں کی سند رسول اکرمؐ تک جاتی ہے (ص ۶۲۳ومابعد)۔

یہی صورت حال اس وقت بھی سامنے آتی ہے جب ہم اسی نقطہ نظر سے امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کی تصانیف، بالخصوص کتاب الآثار ابو یوسفؒ اور کتاب الآثار امام شیبانیؒ کا موازنہ کرتے ہیں۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ امام ابو یوسف کا انتقال ۱۸۴ھ میں ہوا اور امام شیبانیؒ کا ۱۸۹ھ میں،اور اگر امام ابو یوسفؒ اور امام شیبانیؒ کے سالہائے پیدائش بھی پیش نظر رکھے جائیں (جو بالترتیب ۱۱۳ھ اور ۱۳۲ھ ہیں) تو یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابو یوسفؒ امام شیبانیؒ سے عمر میں خاصے بڑے تھے،

لہذا یہ بات قرین قیاس ہے کہ امام شیبانیؒ کی تصانیف کا زمانہ امام ابو یوسفؒ کی آخری عمر کا زمانہ ہو۔ یہ اس بات کے علاوہ ہے کہ امام شیبانیؒ کی متعدد تصانیف امام ابو یوسفؒ کی تصانیف پر مبنی، بلکہ ان سے ماخوذ ہیں۔ ان باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل حقائق پر توجہ فرمایے۔

کتاب الآثار ابو یوسفؒ میں شامل روایات کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں موجود نہیں ہے، باوجودیکہ موخرالذکر کے مولف یعنی امام شیبانیؒ کا زمانہ امام ابو یوسفؒ سے قدرے بعد کا ہے۔(۱۵)

☆ کتاب الآثار ابو یوسف کی روایت ۸۴۵، حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے مروی ہے اور اس کا تعلق مضاربہ سے ہے۔ یہ روایت کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

☆ کتاب الآثار ابو یوسف، روایت ۸۳۰ رسول اکرمؐ کی ایک حدیث ہے جس کا تعلق بائع اور مشتری کے درمیان قیمت پر اختلاف سے ہے۔ یہ حدیث کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں موجود نہیں ہے۔

☆ کتاب الآثار ابو یوسف، روایت ۶۶۶ حضرت عمرؓ سے مروی ہے جس کا تعلق طلاق اور عدت سے ہے۔ یہ روایت کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں موجود نہیں ہے۔

☆ "نفقہ" اور "سکنیٰ" کے مسئلے پر کتاب الآثارابویوسف میں متعدد روایات ہیں۔(دیکھیے : روایات ۵۹۲،۶۰۸،۷۲۶ اور ۷۲۸)۔ ان میں سے کوئی بھی روایت کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

☆ کتاب الآثار ابو یوسف، روایات ۷۰۴، ۷۰۷، ۷۰۹ لعان سے تعلق رکھتی ہیں، یہ روایات کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

☆ "ظہار" سے متعلق کئی روایات کتاب الآثارابو یوسف میں موجود ہیں جو کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں شامل نہیں۔

☆ "مزارعة" کے متعلق سالمؒ کی روایت کتاب الآثار ابو یوسفؒ میں نمبر ۸۵۷ پر ہے جبکہ وہ کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں موجود نہیں۔

☆ "فرائض" سے متعلق کتاب الآثار ابو یوسفؒ کی روایات (۷۷۹،۷۸۰) کتاب الآثار امام شیبانی میں موجود نہیں۔

☆ کتاب الآثار ابو یوسفؒ کی روایات (۳۹۹، ۴۰۱، ۵۹۷، ۶۰۷ وغیرہ) جو متفرق موضوعات سے متعلق ہیں، کتاب الآثار امام شیبانیؒ میں موجود نہیں ہیں۔(۱۶)

مذکورہ بالا بحث اور موازنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی کتاب الآثار کی روایات امام شیبانیؒ کے علم میں تھیں، مگر اس کے باوجود کتاب الآثار ابو یوسف کی بعض روایات امام شیبانیؒ کی تالیف میں شامل نہیں ہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے شاخت کے اختیار کردہ منہاج تحقیق کے اس بنیادی مفروضے کی بنیادیں ہل جاتی ہیں جس کے سہارے انہوں نے "احادیث کی افزائش" کا کلیہ بڑے زور شور سے پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں شاخت نے مندرجہ ذیل تین امکانات سرے سے نظرانداز کر دیے ہیں، جبکہ صورت حال یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا احتمال موجود ہے۔

۱۔ کسی شخص تک ایک روایت پہنچی ہو، مگر بعد میں وہ اس کے حافظے سے محو ہو گئی ہو۔(۱۷)

۲۔ کسی شخص تک وہ روایت پہنچی ہو، مگر اس کی نظر میں اس کی صحت مشکوک ہو، اس لیے اس نے اس کا ذکر یا اندراج نہ کیا ہو۔

۳۔ اس شخص کے علم میں وہ روایت ہو، مگر آج جو تالیفات ہماری دسترس میں ہیں، ان میں اس روایت کا سراغ موجود نہیں۔ مسلم تہذیبی سرمائے پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ فقہ و حدیث کا پورا ذخیرہ ہم تک منتقل نہیں ہوسکا، بلکہ گردش لیل و نہار بے شمار کتابوں کے ضیاع کا سبب بنی۔ یہ بات خاص طور پر ان علماء اور فقہاء کے بارے میں درست ہے جن کا تعلق اسلام کے ابتدائی دور سے ہے۔ ان شواہد کی روشنی میں اس بات کے باور کرنے کے قوی اسباب موجود ہیں کہ بعض

روایات نسبتاً ابتدائی دور کے فقہاء و محدثین کے زمانے میں موجود تھیں، لیکن مرور ایام کے ساتھ وہ تلف ہوگئیں اور آج متداول کتابوں میں موجود نہیں ہیں۔

ان تمام باتوں کو درخور اعتناء نہ سمجھنا اور اپنے قائم کردہ مفروضے کے خلاف پائے جانے والے تمام شواہد کو بلا کسی معقول سبب کے مسترد کر کے اپنی مبالغہ آمیز تشکیک پر اڑے رہنا کسی طرح پختہ کار اور محتاط اہلِ علم کو زیب نہیں دیتا۔

حواشی

۱۔ دیکھیے ظفر اسحاق انصاری،

"The Early Development of Islamic Fiqh in Kufah with Special Reference to the Works of Abū Yūsuf and Shaybānī"

(کوفہ میں اسلامی فقہ کا ابتدائی نشوونما ارتقاء، حوالہ تصانیف ابو یوسف و شیبانی)، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، ادارہ مطالعات اسلامی، میگل یونیورسٹی، مونٹریال، ۱۹۶۶ء، ص ۱۹۳ وما بعد، نیز متعلقہ حواشی۔

خود مسلمانوں میں حدیث کے بارے میں تشکیک کا جو رجحان پیدا ہوا، اس کا جائزہ لینے کے لیے دیکھیے:

G.H.A. Juynboll, *The Authenticity of the Tradition Literature: Discussions in Modern Egypt,* Leiden:Brill 1969.

Muhammedanische Studien کی دو جلدیں بالترتیب ۱۸۸۹ء اور ۱۸۹۰ء میں شائع ہوئیں۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ *Muslim Studies* کے نام سے ۱۹۶۷ء میں لندن سے شائع ہو چکا ہے۔

۲۔ اس معاملے میں بعض اہل علم کو مستثنیٰ قرار دینا ضروری ہے۔ ان میں سب سے نمایاں نام نابیہ ایبٹ کا ہے۔ اس موضوع پر ان کی کتاب ہے:

Studies in Arabic Literary Papyri II: Qur'anic Commentary and Tradition, Chicago,1967.

اس کتاب میں نابیہ ایبٹ نے حدیث کے ابتدائی دور کے بارے میں اتنی وافر اور قیمتی معلومات فراہم کر دی ہیں کہ انہیں سامنے رکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مستشرقین کا قائم کردہ مفروضہ نہ صرف مبالغے پر مبنی ہے، بلکہ اس کی کوئی مضبوط بنیادیں نہیں ہیں۔ بعض مسلمان اہلِ علم نے بھی مغربی زبانوں میں اپنی تصانیف میں مختلف پہلوؤں سے اس مفروضے کی تردید کی ہے، مثال کے طور پر ملاحظہ ہو فواد سیزگن کی کتاب:

Geschichte des Arabischen Schrifttums, Vol.1, Leiden, 1967.

ان دو مصنفین کی تحریروں کی اہمیت کے بارے میں دیکھیے:

C.J.Adams,"Islamic Religious Tradition" in Leonard Binder,ed. *The Study of the Middle East,* New York: 1976, pp.66-69

نیز ملاحظہ ہو: M.M. Azami, *Studies in Early Hadith Literature,* Indianapolis: American Trust Publications, 1978

گولڈ تسیہر اور شاخت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور انہی رویوں پر مبنی ایک اور کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔ دیکھیے:

G.H.A.Juynboll, *Muslim Tradition in Chronology, Provenance and Authorship in Early Islam,* Cambridge: Cambridge Univeristy Press,1983.

۳۔ اسلامی عقائد کی ابتدائی تاریخ اور اس موضوع کے سلسلے میں احادیث کے کردار کے بارے میں اور بھی تحریریں سامنے آئی ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھیے:

Josef van Ess, *Zwischen Hadit and Theologie: Studien zum Entstehten Pradistinatianischer Uberlieferung,* Berlin und New York, 1975.

اسی سلسلے میں دیکھیے:

Michael Cook, *Early Muslim Dogma: A Source- Critical Study,* Cambridge: Cambridge University Press, 1981.

۴۔ جوزف شاخت، *The Origins of Muhammadan Jurisprudence* (فقہ اسلامی کا آغاز)، آکسفرڈ، ۱۹۵۹ء، اشاعت سوم، ص ۱۴۹۔ (آئندہ سطور میں اس کتاب کا حوالہ "آغاز فقہ" کے عنوان کے تحت دیا جائے گا)۔

شاید یہ کہنا نامناسب نہ ہو کہ محولہ بالا عبارت کی ژولیدگی، صرف راقم الحروف کے اسلوب کی عکاس نہیں، بلکہ اصل انگریزی عبارت بھی غیر معمولی طور پر پیچیدہ ہے۔ اصل الفاظ

مندرجہ ذیل ہیں :

... every legal tradition from the Prophet, until the contrary is proved, must be taken not as an authentic or essentially authentic, even if, slightly obscured, statement valid for his time or the time of the Companions, but as the fictitiouns expression of a legal doctrine formulated at a later date.

۵۔ جوزف شاخت *An Introduction to Islamic Law* (فقہ اسلامی کا تعارف)، لندن: ۱۹۶۴ء، ص ۳۴۔

۶۔ آغاز فقہ، ص ۱۴۰ مابعد

محولہ بالا کتاب کے ص ۱۴۲ پر شاخت نے ایک عنوان قائم کیا ہے: "اوزاعی اور مالک کے درمیانی عہد میں منظر عام پر آنے والی احادیث"۔ یہاں شاخت کی اپنی پیش کردہ مثال سے اس کے اپنے ہی قائم کردہ مفروضوں میں سے ایک اہم مفروضے کی، جس پر شاخت نے اپنے استدلال کی بنیاد رکھی ہے، تردید جاتی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس موقع پر خود شاخت نے اس ضرورت کا احساس کیا ہے کہ " دلیل سکوت کے استعمال میں احتیاط برتنے کی ضرورت ہے"۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ خود اس ضمن میں بعض اوقات اپنے ہی بیان کردہ قاعدوں کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شاخت نے پہلی اور دوسری صدی ہجری کی آراء کے مطالعے کے سلسلے میں بعض اوقات وہ مآخذ استعمال کیے ہیں، جو پہلی صدی کے کافی بعد کے زمانے کے ہیں۔ یہ ان کے اپنے ہی قائم کردہ منہجی قاعدے (محولہ بالا کتاب، ص ۱۴۰) کی کھلی خلاف ورزی کے مترادف ہے۔ اس سلسلے میں چند مثالوں کا تذکرہ نامناسب نہ ہوگا۔ شاخت نے امام شیبانیؒ کی بیان کردہ ایک دلیل کا حوالہ دیا ہے جو انہوں نے اپنے فقہی مذہب کی رائے کی تائید میں پیش کی تھی۔ شاخت نے یہ حوالہ پانچویں صدی ہجری کے اواخر کی ایک تصنیف یعنی سرخسی (م ۴۸۳ھ) کی المبسوط سے اخذ کیا ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے شاخت لکھتے ہیں: "شیبانی نے اس دلیل کو ماہرانہ انداز میں آگے بڑھایا ہے اور یہاں ایک قانونی امتیاز قائم کیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ وہ دلیل ہے جو فی الواقع شیبانی نے پیش کی تھی" (آغاز فقہ، ص ۲۷۱)۔ایک دوسری مثال ملاحظہ فرمایئے۔ دوسری صدی ہجری کے ابتدائی دور سے منسوب ایک رائے کا حوالہ دینے کے لیے شاخت نے قاضی عیاض (م ۵۴۴ھ) کو بنیاد بنایا ہے اور یہ حوالہ زرقانی کی شرح الموطا سے لیا گیا ہے(دیکھیے شاخت کی محولہ بالا

کتاب ص ۱۰۷)۔ ایسی ہی بعض دوسری مثالوں کے لیے ملاحظہ کیجیے: شاخت کی محولہ بالا کتاب کے صفحات ۲۷۳ اور ۳۰۳ وغیرہ۔

۷۔ "آغاز فقہ" ص ۲۷۱

۸۔ شاخت کے بیان کے مطابق فقہ اسلامی کی تاریخ کا تدوینی یا تحریری دور ۱۵۰ ہجری کے لگ بھگ شروع ہوتا ہے (دیکھیے ان کا مقالہ

" Pre-Islamic Background and Early Development of Jurisprudence" in M. Khadduri and J. Liehesney, eds. *Law in the Middle East,* Washington D.C.1959, Vol.1, p.50.

مارگولیوتھ کی رائے بھی بنیادی طور پر یہی ہے۔- D.S. Margoliouth, *The Early Development of Mohammedanism.* London, 1914, pp.39-40.

ہماری رائے میں اگرچہ تدوین کتب کا کام اس دور سے کچھ پہلے شروع ہو چکا تھا، تاہم اس زمانے کی کچھ ہی تصانیف دستبرد زمانہ سے بچ سکی ہیں۔ مزید برآں بالکل ابتدائی مجموعے اور کتابیں بالعموم مختصر ہوتی تھیں اور ان میں وہ ترتیب اور تنظیم بھی نہ تھی جو بعد کی کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ جیسے جیسے زیادہ جامع تالیفات سامنے آتی گئیں، ابتدائی دور کی کتب کی ضرورت عملاً کم ہوتی چلی گئی اور ان میں سے بہت سی کتب رفتہ رفتہ منصۂ شہود سے غائب ہوگئیں۔ احادیث کے ابتدائی عہد کے لیے دیکھیے: فواد سیزگین اور محمد مصطفیٰ الاعظمی کی محولہ بالا کتب۔

۹۔ دیکھیے انصاری، "کوفہ میں فقہ اسلامی کی ابتدائی نشوونما" ص ۶۲ومابعد، ص ۲۱۸ وما بعد اور ص ۲۲۵ ومابعد۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۹۲ اور باب ۴، حاشیہ ۵۱۔

۱۱۔ مثال کے طور پر دیکھیے: امام ابویوسف، کتاب الآثار (قاہرہ، ۱۳۵۵ھ) حدیث ۱۰۴۸، اور اس کے مقابلے میں ملاحظہ کیجیے: امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کی کتاب الآثار (کراچی، ۱۹۶۰ء) کی حدیث ۸۷۸۔ (ان دونوں کتب کے حوالے میں ہم نے صفحات کا نہیں، بلکہ حدیث کے نمبروں کا ذکر کیا ہے)۔ان کتابوں کے تقابلی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے ایک بات کو نبیؐ کے ایک قول کے طور پر درج کیا ہے جس کے راوی ابراہیم النخعی ہیں۔ اسی قول کا اندراج امام شیبانیؒ نے اپنی کتاب الآثار میں کیا ہے، مگر یہ اندراج صرف ابراہیم النخعی کے قول کے طور پر ہے، اور اس ضمن میں رسول اکرمؐ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اسی طرح امام ابویوسفؒ نے اپنی تالیف " اختلاف ابی حنیفه و ابن ابی لیلی"، (قاہرہ، ۱۳۵۸ھ) میں رسول اکرمؐ کی ایک حدیث درج کی ہے (ملاحظہ ہو: ص ۷۸-۷۹)۔ خود ابو یوسفؒ نے جو امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں، اپنی ایک دوسری تالیف کتاب الآثار (حدیث ۷۳۸) میں اسی قول کو صرف امام ابو حنیفہؒ کے قول کے طور پر درج کیا ہے۔

۱۲۔ اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ موطا امام مالکؒ اور موطا امام شیبانیؒ کے مابین یہ موازنہ اور اس سے اخذ کردہ نتائج بلا جواز ہیں، کیوں کہ موطا امام مالکؒ تو دراصل موطا کا وہ نسخہ ہے جو یحییٰ بن یحییٰ اللیثی (م ۲۳۴ھ) نے مرتب کیا تھا۔ بنابریں موطا امام مالکؒ کو موطا امام شیبانیؒ سے موخر قرار دیا جانا چاہیے۔ اس اعتراض کے بارے میں دو باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ اول یہ کہ خود شاخت نے موطا امام شیبانیؒ کو موطا امام مالکؒ سے موخر قرار دیا ہے اور اسی بنیاد پر کچھ نتائج اخذ کیے ہیں۔ (دیکھیے: آغاز فقہ، ص ۱۴۳)۔ دوسرے یہ کہ اگر ہم موطا امام مالکؒ کو موطا امام محمدؒ سے موخر تسلیم کرلیں اور اس بنیاد پر اس کی روایات کا موطا امام شیبانیؒ کی روایات سے موازنہ کریں تو جو نتائج برآمد ہوں گے، ان سے شاخت کا وضع کردہ منہاج تحقیق کہیں زیادہ سنگین اعتراضات کی زد میں آ جائے گا۔

۱۳۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ نے اپنی کتاب الحجج (لکھنو، ۱۸۸۸ء، ص ۱ وما بعد) میں اپنے فقہی مذہب کی آراء کی تائید میں جہاں بہت سی دوسری روایات کی سند پیش کی ہے، وہاں موطا امام مالکؒ کی مذکورہ بالا روایت کا حوالہ بھی دیا ہے۔

۱۴۔ اس موقع پر اس روایت کا حوالہ نہ دینا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ امام شیبانیؒ اس روایت سے واقف نہیں تھے، کیوں کہ انہوں نے خود اپنی کتاب الحجج کے ص ۲۸۹ پر یہ روایت عین اسی اسناد سے نقل کی ہے جو ہمیں موطا امام مالکؒ میں ملتی ہے، اور پھر انہوں نے اپنی رائے کی بنیاد بھی اس روایت کو بنایا ہے۔ ہمارا دعویٰ بعینہ یہی ہے کہ یہ مفروضہ قطعاً بلا جواز ہے کہ ہر عالم ہر موقع پر ہر اس روایت کا حوالہ دینا ضروری خیال کرتا تھا جو اس کے علم میں تھی۔ اسی طرح یہ فرض کرنے کی بھی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ کسی عالم کی تحریر میں کسی روایت کا نہ ملنا اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ روایت سرے سے موجود ہی نہ تھی۔

۱۵۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ، امام ابو یوسفؒ سے نہ صرف کم عمر تھے، بلکہ ان کے شاگرد بھی تھے۔ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ نے امام ابو یوسفؒ کی تالیفات کی تدوین بھی کی اور خود انہی موضوعات پر، یا امام ابو یوسفؒ کی تالیفات پر مبنی کتابیں بھی مرتب کیں۔ لیکن امام ابو یوسف کی بیان کردہ روایات کی اچھی خاصی تعداد ایسی ہے جو امام شیبانیؒ کی انہی عنوانات کی تصانیف میں موجود

نہیں۔ اس سے ان مفروضات کی صحت و صداقت کی کوئی بنیاد نہیں رہ جاتی جن کا ذکر ہم نے آغاز میں کیا ہے۔ اب اگر یہ مفروضات ہی پایہ ثبوت کو نہ پہنچ سکیں تو شاخت کی "دلیل سکوت" کی بنیادیں برقرار نہیں رہتیں۔

۱۶۔ ملاحظہ کیجیے : انصاری، "کوفہ میں اسلامی فقہ کی ابتدائی نشوونما" باب چہارم، حواشی ۱۱۵۔۱۱۶ اور ۱۲۰

۱۷۔ احادیث یا احادیث کے اسناد بھول جانے یا ان احادیث پر مشتمل کتب کے تلف ہو جانے، یا اپنے علم میں موجود سبھی روایات کے حوالہ نہ دینے کا تذکرہ اگر صراحت سے دیکھنا ہو تو ملاحظہ ہو : امام ابو یوسف، کتاب الخراج (قاہرہ، ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۶ء، ص ۵۷) اور امام شافعیؒ کا الرسالہ (مرتبہ احمد محمد شاکر، قاہرہ، ۱۹۴۰ء، ص ۴۳۱)۔ اس ضمن میں امام شافعیؒ کی مندرجہ ذیل باتیں قابل غور ہیں۔ امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ :

الف۔ انہوں نے اپنی کتاب میں کتنی ہی احادیث کو مقطوع یا غیر متصل کے طور پر درج کیا ہے، جبکہ ان تک وہ متصل اور مشہور کی حیثیت سے پہنچی تھیں۔ انہوں نے اس بات کو بہتر سمجھا کہ پوری طرح یاد نہ رہنے کی وجہ سے ان کو غیر متصل روایات کے طور پر ہی درج کر دیں۔

ب۔ ان کی متعدد تالیفات ضائع ہو گئیں، لہذا ان میں مذکور جو احادیث ان کو یاد رہ گئیں، ان کی تصدیق دیگر علماء سے کرائی گئی۔

ج۔ انہوں نے بہت سی روایات اس خوف سے حذف کر دیں کہ کتاب کی ضخامت بہت بڑھ جائے گی۔ امام شافعیؒ کے بقول بس اتنا ہی درج کیا گیا جو ضروری تھا اور ساری معلومہ احادیث کا حوالہ دینے کی کوشش نہیں کی گئی۔ ملاحظہ ہو : امام شافعیؒ کی کتاب الام (بولاق، ۱۳۲۱ء)، جلد ششم، ص ۳ و ص ۱۷۲۔ نیز جلد ہفتم، ص ۱۴۱۔